جاوید احمد غامدی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سورة البقرة

(۵۲)

(گزشتہ سے پیوستہ)

اَلَمْ تَرَاِلَی الَّذِیْنَ خَرَجُوْا مِنْ دِیَارِھِمْ، وَھُمْ اُلُوْفٌ، حَذَرَ الْمَوْتِ. فَقَالَ لَھُمُ اللّٰہُ: مُوْتُوْا، ثُمَّ اَحْیَاھُمْ، اِنَّ اللّٰہَ لَذُوْ فَضْلٍ عَلَی النَّاسِ

(یہ مباحث جہاد و انفاق کے بارے میں تمھارے سوالوں سے پیدا ہوئے تھے۔ ایمان والو، اِن کا حکم تم پر شاق نہ ہونا چاہیے)۔ کیا تم نے اُن لوگوں کو نہیں دیکھا[۶۳۴] جو ہزاروں کی تعداد میں تھے اور موت کے ڈر سے اپنے گھر چھوڑ کر اُن سے نکل کھڑے ہوئے[۶۳۵]۔ اِس پر اللہ نے فرمایا کہ مر دے ہو کر جیو[۶۳۶]۔ (وہ برسوں اِسی حالت

[۶۳۴] اصل میں 'الم تر' کے الفاظ آئے ہیں۔ واحد سے جمع کو خطاب کرنے کا یہ اسلوب اس وقت اختیار کیا جاتا ہے، جب کسی گروہ کے ہر شخص کو فرداً فرداً مخاطب کرنا پیش نظر ہوتا ہے۔ اس میں 'الم تر' کے معنی لازماً یہ نہیں ہوتے کہ مخاطبین نے واقعہ آنکھوں سے دیکھا ہے۔ کسی واقعہ کی شہرت عام ہو یا متکلم یہ سمجھتا ہو کہ اس کی صداقت ایسی مسلم ہے کہ اس میں شبے کی کوئی گنجایش نہیں ہو سکتی تو وہ یہ اسلوب اختیار کر سکتا ہے۔

[۶۳۵] یہ اس واقعہ کی طرف اشارہ ہے، جب فلستیوں نے بنی اسرائیل پر چڑھائی کر کے ان کا قتل عام کیا اور ان سے عہد کا وہ صندوق چھین لیا جس کی حیثیت ان کے ہاں بالکل قبلہ کی تھی۔ بائیبل میں ہے:

> ''اور فلستی لڑے اور بنی اسرائیل نے شکست کھائی اور ہر ایک اپنے ڈیرے کو بھاگا اور وہاں نہایت بڑی خون ریزی ہوئی کیونکہ تیس ہزار اسرائیلی پیادے وہاں کھیت آئے اور خدا کا صندوق چھن گیا۔'' (سموئیل ۴: ۱۰۔۱۱)

اس واقعے کی جو تفصیلات سموئیل باب ۷ اور ۱۱ میں بیان ہوئی ہیں، ان سے معلوم ہوتا ہے کہ بنی اسرائیل اگرچہ تین لاکھ

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

میں رہے[۶۳۷])، پھر اللہ نے اُنھیں دوبارہ زندگی عطا فرمائی[۶۳۸]۔ اِس میں شبہ نہیں کہ اللہ لوگوں پر بڑا فضل کرنے والا ہے، مگر لوگوں میں زیادہ ہیں جو (اُس کے) شکرگزار نہیں ہوتے[۶۳۹]۔ ۲۴۳

سے زیادہ تھے، مگر اپنی مذہبی واخلاقی حالت کی خرابی اور سیاسی ابتری کے باعث فلستیوں کا مقابلہ نہیں کر سکے اور عقرون سے لے کر جات تک اپنے شہر خالی کر کے ان کے حوالے کرنے پر مجبور ہو گئے۔

[۶۳۶] اصل میں لفظ 'موتوا' آیا ہے، یعنی مر جاؤ۔ یہ قومی حیثیت سے ذلت اور نامرادی کی تعبیر ہے۔ ذریت ابراہیم کے معاملے میں اللہ کا قانون یہی تھا کہ ان کے جرائم کی سزا انھیں دنیا ہی میں دی جائے گی۔ چنانچہ جب ایمان اور عمل صالح کے بجائے انھوں نے اخلاقی بے راہ روی اور خوف و بزدلی کی زندگی اختیار کی اور اس طرح اللہ کے ساتھ نقض عہد کے مرتکب ہوئے تو اس کی سزا کے طور پر اللہ نے بھی انھیں ذلت و نامرادی کے حوالے کر دیا۔

[۶۳۷] سموئیل میں ہے کہ بنی اسرائیل پر یہ حالت پورے بیس سال تک طاری رہی:

''اور جس دن سے صندوق قریت یعریم میں رہا، تب سے ایک مدت ہوگئی، یعنی بیس برس گزرے اور اسرائیل کا سارا گھرانا خداوند کے پیچھے نوحہ کرتا رہا۔'' (۷:۲)

[۶۳۸] یہ زندگی اسی قانون کے مطابق دی گئی جس کا ذکر اوپر ہوا ہے۔ بنی اسرائیل نے توبہ استغفار کر کے از سر نو ایمان واسلام کی راہ اختیار کی تو اللہ تعالیٰ نے بھی اس کے صلے میں انھیں قومی حیثیت سے از سر نو زندہ کر دیا اور دشمنوں کے مقابلے میں عزت اور سربلندی عطا فرمائی۔ سموئیل میں ہے:

''اور سموئیل نے اسرائیل کے سارے گھرانے سے کہا کہ اگر تم اپنے سارے دل سے خداوند کی طرف رجوع لاتے ہو تو اجنبی دیوتاؤں اور عستارات کو اپنے بیچ سے دور کرو اور خداوند کے لیے اپنے دلوں کو مستعد کر کے فقط اسی کی عبادت کرو، اور وہ فلستیوں کے ہاتھ سے تمھیں رہائی دے گا۔ تب بنی اسرائیل نے بعلیم اور عستارات کو دور کیا اور فقط خداوند کی عبادت کرنے لگے''۔ (۷: ۳-۴)

''سو فلستی مغلوب ہوئے اور اسرائیل کی سرحد میں پھر نہ آئے اور سموئیل کی زندگی بھر خداوند کا ہاتھ فلستیوں کے خلاف رہا اور عقرون سے جات تک کے شہر جن کو فلستیوں نے اسرائیلیوں سے لے لیا تھا، وہ پھر اسرائیلیوں کے قبضے میں آئے اور اسرائیلیوں نے ان کی نواحی بھی فلستیوں کے ہاتھ سے چھڑا لی۔'' (۷: ۱۳-۱۴)

[۶۳۹] اس میں بنی اسمٰعیل کے لیے تشویق ہے کہ اگر وہ بھی جہاد و انفاق کی دعوت قبول کریں گے تو اللہ ذریت ابراہیم کے ساتھ اپنے وعدے کے مطابق ان پر فضل فرمائے گا اور انھیں عروج و سربلندی سے سرفراز کرے گا۔ اسی طرح تنبیہ بھی ہے

وَقَاتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ ، وَاعْلَمُوْا اَنَّ اللّٰهَ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ.﴿۲۴۴﴾ مَنْ ذَاالَّذِیْ یُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا ، فَیُضٰعِفَهٗ لَهٗٓ اَضْعَافًا کَثِیْرَةً ، وَاللّٰهُ

(ایمان والو، اِس سے سبق لو) اور اللہ کی راہ میں جنگ کرو اور خوب جان رکھو کہ اللہ سمیع و علیم ہے[۶۴۰]۔ کون ہے جو (اِس جنگ کے لیے) اللہ کو قرض دے گا، اچھا قرض کہ اللہ اُس کے لیے اُسے کئی گنا بڑھا دے[۶۴۱]۔ اور اللہ ہی ہے جو تنگی بھی کرتا ہے اور فراخی بھی۔ (اِس لیے جو کچھ ملا ہے، یہ اُسی کی عنایت ہے) اور تم کو (ایک دن)

کہ اگر وہ موت سے ڈر گئے اور انھوں نے اپنے لیے ذلت و نامرادی کو پسند کیا تو اسی وعدے کے مطابق ان پر بھی یہی موت طاری ہو کر رہے گی۔

[۶۴۰] ان صفات کا حوالہ دینے سے مقصود، استاذ امام کے الفاظ میں یہاں اس کا لازم ہے۔ یعنی جب اللہ سنتا اور جانتا ہے تو اس کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ وہ تمھاری پکار پر تمھاری مدد بھی فرمائے گا اور تمھاری جاں بازیوں کا بھرپور صلہ بھی دے گا۔

[۶۴۱] یہ اللہ کی راہ میں جنگ کے لیے غایت درجہ موثر اور نہایت شوق انگیز اسلوب میں مالی قربانی کی دعوت ہے۔ استاذ امام اس کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

> ”قرض قرض دار کے ذمے واجب ہوتا ہے اور یہ رب کریم کا کتنا بڑا احسان ہے کہ جو مال اس نے خود بندوں کو عنایت فرمایا ہے، وہی مال وہ جب ان سے اپنی راہ میں خرچ کرنے کے لیے کہتا ہے تو اس کو اپنے ذمے قرض ٹھیراتا ہے، یعنی اس کی واپسی از خود اپنے ذمے واجب قرار دیتا ہے۔ پھر اس سے زیادہ روح و دل کو بے خود کر دینے والی بات یہ ارشاد ہوئی کہ رب کریم یہ قرض اس لیے مانگتا ہے کہ وہ بندوں کو دیے ہوئے خزف ریزوں کو خوب بڑھائے اور ان کو بڑھا کر ایک لازوال خزانے کی شکل میں ان کو واپس کرے۔ یعنی اس قرض کی ضرورت اس لیے نہیں پیش آئی ہے کہ خدا کے خزانے میں کوئی کمی واقع ہو گئی ہے، اس کا خزانہ بھرپور اور وہ بالکل بے نیاز و بے پروا ہے، البتہ اس کی کریمی نے اپنے بندوں کے لیے نفع کمانے کی یہ راہ کھولی ہے کہ اگر وہ چاہیں تو ایک خرچ کر کے دس گنے سے لے کر سات سو گنے تک اس کا اجر حاصل کر لیں۔“
>
> (تدبر قرآن ۱/۵۶۷)

اس قرض کے متعلق اچھا قرض ہونے کی جو شرط لگائی ہے، اس کی وضاحت میں انھوں نے لکھا ہے:

> ”قرض حسن کا مفہوم قرآن کے دوسرے مواقع سے جو نکلتا ہے، وہ یہ ہے کہ یہ دل کی تنگی کے ساتھ محض چھدا اتارنے کے لیے نہ دیا جائے، بلکہ پوری فراخ دلی اور حوصلے کے ساتھ دیا جائے، ریا اور نمایش کے لیے نہ دیا جائے، بلکہ صرف خدا کی خوش نودی کے دیا جائے، کسی دنیوی طمع کے حصول کی غرض سامنے رکھ کر نہ دیا جائے، بلکہ صرف آخرت کے اجر کی خاطر دیا جائے اور پھر سب سے بڑھ کر یہ کہ حقیر، کم وقعت اور ناجائز ذرائع سے حاصل کیے ہوئے مال میں سے نہ دیا جائے، بلکہ

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

يَقۡبِضُ وَ يَبۡصُطُ ، وَاِلَيۡهِ تُرۡجَعُوۡنَ. ﴿۲۴۵﴾

اُسی کی طرف لوٹنا بھی ہے[۶۴۲]۔ ۲۴۴۔۲۴۵

محبوب، عزیز اور پاکیزہ کمائی میں سے دیا جائے۔'' (تدبر قرآن ۱/ ۵۶۷)

[۶۴۲] مطلب یہ ہے کہ تم اگر اپنا مال خدا کی راہ میں نہیں دیتے تو اس کے معنی یہ ہیں کہ اسی کو نہیں دیتے جو بخشنے کے بعد، جب چاہے چھین بھی سکتا ہے اور جس کا معاملہ اسی دنیا تک نہیں رہ جانا، بلکہ کل آخرت میں جسے منہ بھی دکھانا ہے۔

[باقی]

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com